مرسلِ اعظمؐ کی حکومتی روش میں پیغمبرانہ اقدار کی تجلی

مؤلف: محمد علی برزگر

مترجم: مولانا نثار احمد زین پوری

زیر نظر مقالہ کا موضوع و مدعا، رسولؐ کی حکومتی روش میں اقدار کی حاکمیت کے وجود کو ثابت کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے مختلف عناوین اور موضوعات پر بحث کی گئی ہے مثلاً عدالت، جہاد، ظلم ستیزی، قومی عصبیت کی نفی، باہمی عشق و محبت، اقتدار کی بلندی پر ہوتے ہوئے عفو و بخشش، عقل و خرد کو مد نظر رکھنا، وعدہ کا وفا کرنا، تعلیم وتربیت کو اہمیت دینا، حکومت کو امانت سمجھنا، دشمنوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا وغیرہ۔ یہ تمام خصائل پیغمبر اسلامؐ کی حکومتی روش میں آپؐ کی زمام داری کے عہد میں نمایاں ہوئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ کا سیاسی نظام، انسانی و الٰہی اقدار کی بنیاد پر استوار تھا اور سیاست کے اصول و ضوابط کو ان اقدار کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس نقطۂ نظر سے رسولؐ کے نظامِ حکومت میں انسانی اقدار کے خلاف موضوعات جیسے دوہرے معیار و دوروئی، جھوٹ، حیلہ گری، نیرنگی وخود نمائی کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ الٰہی اہداف و تعلیمات اور انسانی اقدار کے منافی ہیں۔ آنحضرتؐ صوبہ داروں، حکام اور کارندوں کو تاکید فرماتے تھے کہ ان چیزوں پر عمل کریں اور اگر وہ ان اصولوں کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے تو آپؐ ان کی سرزنش کرتے تھے یا انھیں معزول کردیتے تھے۔

رسولؐ کی بعثت انسانی و بشری معاشرہ کے اخلاق کی تکمیل کے لئے تھی اور اسی وجہ سے رسولؐ کے ذریعہ پیش کیا گیا سیاسی نظام، اقدار اور معیاروں پر استوار تھا اور اس کے ساتھ ہی مختلف سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل بھی اسی معیار پر استوار ہوئے ہیں۔

درحقیقت رسول خداؐ کو اسلامی نظام کے نمونہ کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ وہ ایک سچے

سیاستداں اور خوش اخلاق و نیک کردار انسان تھے اور سیاسی امور میں ہر قسم کے مکر و فریب کے خلاف تھے۔ آپؐ کی معاشرتی سیرت، حُسنِ خلق، نصیحت و خیر خواہی اور انسانی عظمت و کرامت پر استوار تھی۔ انھیں چیزوں کو عملی جامہ پہنا کر آپؐ نے اخلاق و اقدار کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا ہے۔ آپؐ کی سیاسی سیرت بھی، مساوات، برابری، طبقاتی نظام اور نژادپرستی سے جنگ، بڑا بننے کی نفی، ظلم ستیزی اور عہد و پیمان کی پابندی پر استوار تھی۔ آپؐ کے اسی کردار پر تمدّنِ اسلام کی بنیاد پڑی اور اطراف و اکناف میں اس کی نشر و اشاعت ہوئی جس کے نتیجہ میں اس عہد کے بڑے تمدنوں کے لئے مشکلیں کھڑی ہو گئیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون سے اعلیٰ معیار و انسانی اقدار ہیں جن کے ذریعہ پیغمبر عظیم الشان نے عالمی انسانی نظام پر حکومت کی اور کائنات کو اپنی سیرت کا گرویدہ بنالیا۔

لغت میں سیرت کے معنی ہیں: روش، طریقہ، مذہب، خلق و عادت۔ سیر کا معنی ہے چلنا اور سیرت جو فعلۃ کے وزن پر ہے، اس کا مفہوم ہے چلنے کا انداز[۱]۔

لغت میں حکومت کے معنی، فرمانروائی اور حکمرانی کے ہیں، اس طرح فرمان دینے والے اور فرمانبردار کے درمیان ایک مضبوط رابطہ کا وجود ضروری ہے اور سیاست میں حکومت کے معنی، ملک میں فرمانروا کے ہیں۔

رسولؐ کی حکومتی روش میں نمایاں اقدار

عدل گستری

خداوند عالم کے صفات میں سے ایک عدل ہے۔ پیغمبران الٰہی عدل کے حقیقی منادی و علمبردار ہیں جو لوگوں کو عدل کی دعوت دینے کے لئے مبعوث ہوئے تھے تاکہ عدل کی بنیاد پر معاشرہ استوار ہو۔

عدل کی بنیاد پر استوار معاشرہ، اقدار کا حامل ہوتا ہے اور اس لحاظ سے عدل ایسی بنیادی قدر و ارزش ہے جس کے وجود سے دوسرے اقدار کی تجدید ہوتی ہے اور عدل سے بے توجہی اقدار کی ضدوں کے وجود میں آنے کا سبب ہوتی ہے۔

قیام عدل رسول اسلامؐ کی سنت و سیرت ہے۔ آپؐ اسی لئے مبعوث ہوئے تھے تاکہ ظلم و ستم کو

۱۔ مطہری، مرتضی، سیرۂ نبوی، ص ۴۷

مٹا کر اس کی جگہ عدل وانصاف قائم کر سکیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔[1]

رسول خداؐ کے نقطۂ نظر سے جس معاشرہ میں عدل قائم کرنے کی کوشش نہیں ہوتی ہے، یا جس معاشرہ میں عدل قائم کرنے والوں کو خوف زدہ کیا جاتا ہے، وہ معاشرہ متزلزل رہتا ہے اور اس کی شکست و ریخت میں دیر نہیں لگتی ہے اور جو لوگ عدل پرور افراد کو ستاتے ہیں یا انھیں عدل پروری کے جرم میں کچل دیتے ہیں وہ کافروں کے حکم میں ہیں اور سنّت الٰہیہ کے مطابق نابود ہو جاتے ہیں[2]۔

عدل گستری کے مختلف پہلو ہیں جن کے متوازن اور ہمہ جہت نفاذ کی صورت میں معاشرہ کی ہر فرد عدل سے مستفید ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف عدالت کی جگہ طبقاتی نظام آجائے گا اور معاشرہ میں ظلم و ستم کا بول بالا ہوگا۔ یہ صورت حال ظالموں اور فرومایہ لوگوں کے لئے خوش آیند اور عدل و فضائل کے طرف داروں کے لئے سخت ناگوار ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ معاشرہ کو نیست و نابود کردے گی۔ ان پہلوؤں میں سے عدالتِ اقتصادی، عدالتِ سیاسی اجتماعی، عدالت طبقاتی، عدالت جغرافیائی، لوگوں کے حقوق میں عدالت، بیت المال کی تقسیم میں عدالت، فیصلوں میں عدالت اور شائستہ انتخاب میں عدالت کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اب ہم ان میں سے بعض پہلوؤں کی سیرت رسولؐ کی روشنی میں وضاحت کرتے ہیں۔

اقتصادی عدالت

عدل قائم کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ پیداوار کے منابع، عمومی فلاح و بہبود اور اقتصادی ذخیروں کی تقسیم میں عدل سے کام لیا جائے۔ نیز اقتصاد میں اپنا مخصوص حق سمجھنے

۱۔ سورہ حدید، آیت ۲۵

۲۔ مجلسی، بحارالانوار، ص ۱۹۸

والوں، قومی سرمایہ کو لوٹنے والوں اور اقتصادی مفاسد سے مقابلہ اور اقتصاد کے لئے تحفظ فراہم کرنے کو معاشرہ میں عدل قائم کرنے کے اسباب میں شمار کیا جاتا ہے۔

عدل پرور تحریک سے اہل شہر خوش ہوتے ہیں اور عام لوگ حکومت کے مخلص اور زمام داروں کے دوست بن جاتے ہیں۔ رسولؐ نے فقر و فاقہ و تنگدستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے اقتصادی ناانصافی اور بے عدالتی کا نتیجہ قرار دیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ اَرْزَاقَ الْفُقَرَاء فِی اموالِ الْاَغْنِیَاءِ فان جاعو و عروا فبذنب الاغنیاء وحق علی اللّٰہ اَن یکّبھم فی نار جھنم[۱]۔

ترجمہ: بیشک خدا نے تنگدست لوگوں کا رزق غنی لوگوں کے اموال میں قرار دیا ہے پس اگر وہ بھوکے اور برہنہ ہیں تو وہ ان مالداروں کی وجہ سے ننگے بھوکے ہیں۔ (اس صورت میں) خدا کو حق ہے کہ ان اغنیاء کو منھ کے بل جہنم میں گرادے۔

بنابریں ضرورت مندوں کی ناداری و تنگدستی مالداروں کی حرام خوری کی وجہ سے ہے۔ حکومت اور لوگوں کو چاہئے کہ ان سے جنگ کریں تاکہ ضرورت مندوں کا حق انہیں واپس مل جائے۔ اقتصاد کے بارے میں رسول خداؐ کی سیرت کا دوسرا نمونہ، آپؐ کے توسط سے بیت المال کی عادلانہ تقسیم ہے۔ اس سلسلہ میں روایت ہے:

رسول خدا لوگوں کے درمیان بیت المال تقسیم کررہے تھے، ذوالخُوَیصَر نامی ایک شخص جو بعد میں خوارج کا رہبر بنا، رسولؐ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا: انصاف سے کام لیجئے، رسولؐ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر! تو یہ کہہ رہا ہے، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا؟ اگر میں انصاف سے کام نہیں لوں گا تو تجھ جیسے نقصان اٹھائیں گے[۲]۔

سیاسی و اجتماعی عدالت

اہل وطن کو رائے دہی کا حق دینا، مختلف قبیلوں اور غیر متحارب اقلیتوں اور مختلف رسم و رواج

۱۔ مستدرک الوسائل، ج ۷، ص ۲۴

۲۔ جعفریان، رسول، سیرہ رسول خدا، ص ۶۰۶

کو قانونی شکل دینا، سیاست سے غلط فائدہ اٹھانے والوں سے جنگ کرنا، اہم ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے شائستہ افراد کا انتخاب وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے معاشرہ میں عدل قائم ہوتا ہے، عدل کے فروغ سے لوگ حقیقی سیاسی نظام کی پشت پناہی کرتے ہیں اور اس طرح حکومت میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور وہ شکست و ریخت سے محفوظ رہتی ہے۔

رسول اکرم کے نقطۂ نظر سے عدل، اچھا ہے اور خیر ہے لیکن معاشرہ کے زمام داروں اور حکام کے لئے زیادہ اچھا ہے۔ "اَلْعَدْلُ حَسَنٌ ولکن فِي الْأُمَرَاءِ احسنُ[۱]۔" اس سے تین چیزیں ثابت ہوتی ہیں: حکام کسی بھی صورت میں لوگوں پر ظلم نہ کریں، لوگوں سے حق کے علاوہ کوئی بات نہ کہیں اور لوگوں سے کئے ہوئے وعدوں پر عمل کریں۔ رسول خداؐ اپنے صوبہ دار معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں:

> "اپنے کارندوں کے چال چلن اور کردار کے بارے میں ہوشیار رہو اور انہیں تاکید کرو کہ لوگوں کے حقوق کے سلسلہ میں کسی قسم کی زیادتی و ناانصافی نہ کریں اور اگر بھول چوک سے ایسا ہو جائے تو ان سے معذرت کریں اور ان سے اصرار کریں کہ ان کا عذر قبول کریں اور ظالموں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں"۔

مدینہ میں مہاجرین وانصار اور یہود کے درمیان جو صلح کا پیمان نامہ لکھا گیا اور جسے حکومت کا آئین سمجھا گیا ہے، وہ تمام بنیادی اصول وقوانین میں سب سے زیادہ اچھا اور غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں صحیح طریقہ سے شہریوں کے حقوق کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس معاہدہ کی دوسری دفعہ میں لکھا ہے:

> "مدینہ کے وہ تمام لوگ جنہوں نے صلح نامہ پر دستخط کئے ہیں، ان کے عقائد سے قطع نظر، وہ سب ایک امت ہیں وہ اپنے آداب ورسوم کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔"

اس کی سولہویں دفعہ میں تاکید کی گئی ہے کہ شہر کے تمام غیر مسلمانوں کو اس وقت تک امن وامان اور دیگر حقوق مساوی طور پر ملتے رہیں گے جب تک وہ اس معاہدہ کے پابند رہیں گے اور دشمنوں کا

۱۔ نہج الفصاحہ، حدیث ۲۰۰۶

ساتھ نہیں دیں گے اور ظلم و ستم نہیں کریں گے۔[۱]

طبقاتی عدالت

اسلامی نقطۂ نظر سے عرب کو عجم پر، گورے کو کالے پر، مالدار کو نادار پر اور مالک کو مزدور پر کوئی فوقیت و برتری نہیں ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ جنگ بدر کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے طریقۂ کار کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ رسول خداؐ نے حکم دیا کہ سارا مال غنیمت، بیت المال میں جمع کیا جائے۔ مرد میدان یہ سمجھ رہے تھے کہ رسولؐ سارا مال غنیمت انھیں کو دیں گے، کسی ناتواں کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ رسولؐ نے حکم دیا کہ مال کو سب کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے۔ سعد بن ابی وقاص نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپ بہادروں کو جو قوم کے نگہبان ہیں، ناتواں لوگوں کے برابر حصہ دیں گے؟ رسولؐ نے فرمایا: کیا تم تن تنہا دشمنوں پر فتحیاب ہو سکتے تھے؟ اور کیا دوسرے لوگوں کا اس فتح میں کوئی کردار نہیں ہے[۲]۔

بہر حال مختلف سماجی طبقات کے درمیان امتیاز کرنے سے لوگوں میں مایوسی اور احساس کمتری پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں لوگ، حکومت اور سیاسی نظام سے منحرف ہو جاتے ہیں اور ایسی صورت میں حکومت کی عوامی پشت پناہی میں فرق آجاتا ہے اور اس کے سیاسی پائے متزلزل ہو جاتے ہیں۔

فیصلوں میں عدالت

تمام اہل وطن کو مساوی حقوق حاصل ہیں اور عدالت میں کسی کو کسی پر یہاں تک کہ رسولؐ کو بھی برتری وفضیلت حاصل نہیں ہے۔ لوگوں کے عدالتی اور قانونی امور کے فیصلہ کا معیار اسلامی قوانین ہیں اور قاضی کا فریضہ ہے کہ وہ دینی معیار و موازین کے مطابق فیصلہ کرے۔

یہ بھی رسولؐ کی عملی سیرت سے متعلق ہے کہ ایک روز اسامہ بن زید ایک مجرم کی حدّ شرعی (سزا) معاف کرنے کے لئے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسولؐ نے فرمایا: کیا تم خدا کی حدوں میں سے ایک حد کے جاری نہ ہونے کے لئے سفارش کر رہے ہو؟ خدا کی قسم اگر ایسا کام میری بیٹی بھی انجام دیتی

۱۔ حمید اللہ، محمد، نامہ ہا و پیمان ہای سیاسی حضرت محمد واسناد صدر اسلام، ص ۱۰۷ - ۱۰۸

۲۔ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۷۹

(جو کہ ناممکن ہے) تو بھی میں معاف نہ کرتا اور وہی سزا دیتا جو اس مجرم کو دینا چاہتا ہوں۔ آپؐ اپنے اہل بیتؑ کو جنگوں میں سب سے آگے رکھتے تھے[۱]۔

جغرافیائی عدالت

ایک سرزمین پر بسنے والے لوگ ایک جغرافیائی امتیاز کے مالک ہوتے ہیں ۔ کوئی بھی علاقہ اپنی قوم ، مناسب آب و ہوا اور قدرتی ذخیروں سے مالامال کانوں (معادن) یا فوجی اہمیت کے حامل مقام پر آباد ہونے کی وجہ سے دوسرے علاقوں پر برتری نہیں رکھتا ہے۔ جغرافیائی عدل پر مبنی فیصلہ یہ ہے کہ لوگ ان خداداد نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ رسولؐ کی سیرت بھی یہی تھی کہ آپؐ اسلامی حکومت کے تمام علاقوں کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔

عدل کے بارے میں اسلام کے عظیم الشان رسولؐ کے بلند نقطۂ نظر کے پیش نظر، عدل رسالت الٰہی کی بنیاد ہے، اس کے بغیر نبوت بھی ابتر اور بے ثمر ہے۔ خدا نے انبیاء کو اس لئے مبعوث کیا تاکہ معاشرہ میں عدل قائم ہو۔ رسول خداؐ کی سیرت میں ایسے بہت سے مواقع نظر آتے ہیں، جو ابتداء میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس بناپر عدل پر مبنی نظریہ، سیاسی، اجتماعی و سماجی، اقتصادی و ثقافتی میدانوں میں معاشرہ کو امن وامان کی طرف لے جاتا ہے اور ہدایت کو وسعت دیتا ہے اور عدل کی فضا میں لوگ ملک کے ذمہ داروں پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی لوگوں کی حمایت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے ہیں۔ اس طرح ملک اور سیاسی نظام ہر قسم کے اندرونی و بیرونی خطروں سے محفوظ رہتا ہے اور اپنی عمرانی اور ارتقائی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

جہاد اور ظلم ستیزی

ظالم اور ستم پیشہ لوگ عام انسانوں کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو عام طور پر حق طلبی، انسانی اقدار و فضائل کی ہمہ گیری اور عوام و معاشرہ کی بھلائی واچھائی کی راہ میں مانع سمجھا جاتا ہے۔ یہ

۱۔ طباطبایی، محمد حسین، سنن النبی، ص ۸۶

اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کسی بھی ظلم سے پرہیز نہیں کرتے ہیں۔ مکاری و خیانت کاری سے کام لیتے ہیں، بے دریغ لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور لوگوں کا مال لوٹ لیتے ہیں۔۔۔ معاشرہ میں موجود ساری بد بختی و نادانی اور مشکلات و مسائل انہیں کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

انبیاء اسی لئے مبعوث ہوئے ہیں تاکہ انسانی معاشرہ کو اس ظالم گروہ کی نجاست سے پاک کریں اور مظلوموں کو ستمگاروں کے چنگل سے نجات دلائیں۔ چنانچہ وہ اس کام کی انجام دہی کے لئے مظلوموں کے ساتھ رہے تاکہ شہ زوروں اور ظالموں کا خاتمہ کر سکیں اور معاشرہ کی اصلاح کا طریقہ ایجاد کریں اور عدل گستری و داد گری کے لئے زمین ہموار کرکے انسانی عظمت و حیثیت کے تحفظ کو یقینی بنائیں۔

رسولؐ نے ظالموں اور ستمگروں سے جنگ و جہاد کو اپنی الٰہی رسالت کا جز قرار دیا اور پورے اعتماد و سنجیدگی کے ساتھ ان سے مقابلہ کے لئے اٹھے تاکہ معاشرہ میں موجود اس طبقہ بندی کو ختم کریں جو عام طور پر زر پرستوں اور ظالموں کے سبب وجود میں آتی ہے اور کمزوروں پر جبراً لاد دی جاتی ہے۔

رسولؐ مقبول کی سیرت کا ہی عطیہ ہے کہ اسلام ظلم ستیز ہے، اسلام ظلم مخالف ہے اور وہ اپنے کارندوں کو اسی بات کی تاکید کرتا ہے۔ جب رسولؐ نے عمرو بن حزام کو اپنے کار گزار و سفیر کی حیثیت سے یمن روانہ کیا تو اس وقت انھیں کچھ بنیادی اصول تعلیم کئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

"حق پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کا ساتھ دو اور ظالموں کے ظلم کی بنا پر ان پر سختی کرو کیونکہ خدا ظلم کو پسند نہیں کرتا ہے اور اس سے منع کرتا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"ظالموں پر خدا کی لعنت، دیکھو! لوگوں کو تم جنت اور جنت کی طرف لے جانے والے اعمال کی طرف راغب کرنا اور جہنم اور ایسے اعمال سے ڈرانا جو جہنم لے جانے کا سبب ہوتے ہیں۔"[۱]

رسول اکرمؐ کی دوسری اہم سیرت ظلم و شرک اور کفر و نفاق سے جنگ ہے۔ جو لوگ اپنے فائدے کے لئے کسی بھی ظلم سے دریغ نہیں کرتے ہیں، جب ان لوگوں پر رسولؐ کے ارشادات اور نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تو جنگ کی آیتیں نازل ہوئیں اور رسولؐ نے اس حیات بخش امر کے لئے اقدام کیا۔ اس

۱۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۲۸

طرح دنیا کے مسلمانوں کے پیشوا نے اپنی حیات شریف کے دوران اکثر ظالموں اور ستمگروں سے جنگ و جدال کیا اور اس سلسلہ میں ہر گز کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور کبھی ظلم سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ آپؐ کے جانشینوں نے بھی اس سیرت پر عمل کیا ہے۔ ان حضرات کی شہادت اس کا واضح ثبوت ہے۔

ثروت مندوں اور فریب کاروں سے رسولؐ کے جہاد کے بارے میں امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

"رسولؐ کی تحریک کے آغاز ہی سے آپؐ کے ساتھ نادار اور مستضعف لوگوں نے قیام کیا، انہوں نے ہی شہ زوروں، فریب کاروں، زمین داروں، تمکنت والوں اور پارٹی رکھنے والوں کا مقابلہ کیا۔ اس زمانہ میں یہی چیزیں طاغوت کا مظہر تھیں۔۔۔ رسولؐ کی سیرت یہ تھی کہ آپؐ ابتداء ہی سے ان لوگوں سے جنگ کر رہے تھے جو دوسروں کی محنت و کمائی کو ہڑپنا چاہتے تھے۔ جو لوگوں کو اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ آپؐ نے ایسے ہی امور کے لئے قیام کیا۔[1]

ظالموں اور ستمگروں سے جنگ کرنا رسولؐ کی سرشت میں شامل تھا۔ آپؐ کا یہ طریقہ کار آپ کی حکومت کی حدود میں ہی منحصر نہیں تھا بلکہ اس کی سرحدوں سے باہر بھی آپ اسی اصول پر کاربند تھے۔ آپؐ کی تقریروں اور خطبوں میں ظالموں اور ستمگروں سے جنگ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ آپؐ نے دیگر ممالک کے سربراہوں کو خط لکھے تاکہ وہ عدل وانصاف سے کام لیں۔ ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظلم ستیز رسول اسلامؐ اپنی تمام زحمتوں اور سعی پیہم کے نتیجہ میں اپنے مقاصد کو حاصل کرلیں گے اور نسل انسانی کو انمول ہدیہ عطا کریں گے۔ اس قیمتی نظریہ کی روشنی میں آزاد و سرفراز اشخاص ظالموں سے جنگ کے لئے اٹھے ہیں اور ان پر عرصۂ حیات کو تنگ کیا ہے تاکہ وہ عزت و بزرگی کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

تعصب اور نسل پرستی سے جنگ

بڑا بن بیٹھنے کی علامتوں میں سے ایک تفوق و برتری طلبی، نژادپرستی، دوسروں کو خاطر میں نہ لانا اور ان کو حقیر و ناچیز سمجھنا ہے۔ انسانوں اور قبیلوں کا یہ گروہ عام طور پر خود کو برتر و مستحق تر تصور کرتا

۱۔ صحیفہ نور، ج ۵، ص ۵۷

ہے اور یہ چاہتا ہے کہ دوسرے ان کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہیں اور ان کا احترام کریں۔ خدا نے اپنے پیغمبروں کو اس لئے بھیجا کہ ان کی راہنمائی کریں اور ان کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائیں، اگر وہ اصلاح قبول نہیں کرتے ہیں تو اخلاقی برائیوں میں ملوث اور انسانی اقدار کے خلاف لوگوں سے جنگ کریں۔ رسولؐ نے بھی اپنی رسالت کے زمانہ میں ایسے مغرور و متکبر قبیلوں اور انسانوں سے مقابلہ کیا ہے اور انھیں معاشرہ اور لوگوں کے درمیان سے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ رسولؐ کی سیرت میں برتری طلبی اور نژاد پرستی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

آپ حجۃ الوداع کے موقع پر فرماتے ہیں:

اَیُّھا النَّاسُ! اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ واحد کُلُّکُمْ لِاٰدَمَ وَاٰدمُ مِنْ تُرَابٍ، لَا فَضْلَ لعربی علیٰ عجمی اِلَّا بالتَّقویٰ۔

اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاک سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی اپنی نسل پر، اپنی قوم پر یا ایسی ہی کسی دوسری چیز پر فخر کرے۔ ہم سب خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور خاک کوئی فخر نہیں ہے۔ ہم کو معنوی و روحانی فضائل اور تقویٰ پر فخر کرنا چاہئے۔ فضیلتوں کا معیار تقویٰ ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔[1]

رسول اکرمؐ جن کو خدا نے جملہ انسانوں اور تمام عالمین کے لئے باعث افتخار قرار دیا ہے، اس طرح فرماتے ہیں:

"میں روز قیامت اولادِ آدم کا سردار ہوں لیکن یہ کوئی فخر نہیں ہے، لوائے حمد (پرچم ستائش) میرے ہاتھ میں ہے لیکن کوئی فخر نہیں ہے اور آدم سے لے کر دوسرے انبیاء تک سب میرے پرچم کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی، لیکن کوئی فخر نہیں ہے۔"[2]

رسول اسلامؐ سپہ سالاروں اور فوجیوں کے درمیان مال غنیمت تقسیم کرنے میں مساوات کو ملحوظ

۱۔ سیرۂ نبوی، ص ۲۷۹

۲۔ الہندی، کنزالعمال، ج ۱۱، ص ۴۳۴

رکھتے تھے۔ جنگ بدر میں فوج اسلام کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا تھا۔ رسولؐ نے حکم دیا کہ غنیمت کو ان کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے۔ بعض سپہ سالاروں جیسے سعد بن ابی وقاص نے اس طریقہ تقسیم پر اعتراض کیااور کہا: یَا رسولَ اللہ تعطی فَارِسَ الْقَومِ الّذی حمیھم مِثْلَ مَا تعطی الضعیف۔ اے اللہ کے رسولؐ! کیا دلیر و بہادر اور کمزور و ناتواں آپؐ کے نزدیک برابر ہیں، آپؐ سب کو برابر حصہ دے رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے سعد کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ثَکَلَتکَ اُمُّکَ وَھَل تَنصُرون الا بِضُعَفائِکم؟ تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے کیا تم ان کمزوروں کی مدد کے بغیر کامیاب ہوئے ہو؟[1]

ان کا خیال تھا کہ رسولؐ سپہ سالاروں اور قوم کے بزرگوں کو زیادہ دیں گے۔ لیکن آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے درمیان مساوی طور پر مال غنیمت تقسیم کیا جائے۔ سعد اور ان کے ہم خیال لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ لشکر اسلام کو ان کے سبب کامیابی ملی ہے، خدا کی عنایات کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں تھی، فضیلت پسندی و برتری کا جذبہ تھا اسی لئے رسولؐ نے سخت لہجہ اختیار کیا۔ پس رسول خداؐ کی نظر میں حاکم و محکوم، سوار و پیادہ اور قوی و کمزور ، یہاں تک کہ مال غنیمت کی تقسیم میں بھی، برابر ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آپؐ نے یمن میں اپنے حکومتی کارندے کو ایک حکم کے ذیل میں لکھا:

> "لوگوں میں گھل مل جاؤ تاکہ انہیں دینی تعلیم دے سکو اور اگر ان کے درمیان خاندان و قبیلہ پرستی اور عصبیت پائی جاتی ہے تو انھیں اس حرکت سے منع کرو، ان کا رجحان و میلان اور دعوت و پیغام اس خدا کی طرف ہونا چاہئے جس کا کوئی شریک نہیں ہے"۔[2]

پس رسول اکرمؐ ہر قسم کی فضیلت طلبی اور نسل پرستی سے بیزار تھے اور آپؐ کا کردار مسلمانوں کے لئے بہترین درس تھا کہ کیسے زندگی گزاریں اور اپنے امور کو کیسے منظّم کریں۔ انس بن مالک کہتے ہیں:

۱۔ حکیمی، محمد رضا، محمود، علی، الحیاۃ، ج۶، ص ۳۳۰

۲۔ طبری

مسلمانوں کی نظر میں کوئی بھی رسولؐ سے زیادہ محبوب نہیں تھا لیکن آپؐ کو دیکھ کر کوئی بھی کھڑا نہیں ہوتا تھا کیونکہ مسلمان جانتے تھے کہ آپؐ اس عمل کو پسند نہیں کرتے ہیں۔[۱]

عام لوگوں سے مہر و محبت

اسلام کے جلد پھیلنے کے اسباب و عوامل میں سے ایک آپؐ کا خلق و خو اور قیادت و نظم و نسق کا طریقہ بھی تھا۔ آپؐ کی رحلت کے بعد بھی، آپؐ کی سیرت جو بعد میں تاریخ میں نقل ہوئی ہے، اسلام کی ترقی کا بڑا سبب تھی[۲]۔ اس چیز کی طرف درج ذیل آیت اشارہ کر رہی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُم وَلَو كُنْتُ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِن حَولِكَ۔[۳]

آپؐ رسالت کے بلند و بالا منصب پر فائز تھے اور لوگوں کے سردار و سربراہ تھے لیکن سماج میں آپ کی بود و باش ایسی بے داغ اور سادہ تھی کہ اگر آپ لوگوں کے درمیان یا کسی محفل میں تشریف لے جاتے تھے تو ہر شخص آپؐ کو عقیدت بھری نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آپؐ لوگوں کے ساتھ سختی اور بد خلقی سے پیش نہیں آتے تھے۔ خصوصاً حکومت کے عہدہ داروں اور حکام کا جو عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ ہوتا تھا اس کے بارے میں آپؐ بہت حساس تھے۔ عوام کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے۔ یہ چیز آپؐ کے فرامین میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ یمن میں اپنے نمائندہ کو ایک فرمان میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

> "تمہیں میری نصیحت ہے کہ نرم لہجہ میں گفتگو کرنا، سلام کرنے میں سبقت کرنا، ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنا، یتیم پر مہربانی کرنا، غصہ برداشت کرنا، لوگوں کے ساتھ خاکساری سے پیش آنا۔ دیکھو! کسی مسلمان کو غلط و نازیبا بات نہ کہنا، کسی خطاکار کی پیروی مت کرنا۔ اے معاذ! اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں روز قیامت تم سے ملاقات نہیں کروں گا۔ میں اپنی نصیحتوں کا سلسلہ ختم کرتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ اس کے بعد تم سے میری ملاقات نہ ہوگی۔ اے معاذ! جان لو کہ تم میں سے وہ شخص مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے جو مجھ سے اسی حال میں ملاقات کرے

۱۔ بحار الانوار، ج۷۵، ص۲۳۹

۲۔ سیرۂ نبوی، ص۲۳۵

۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹

جس میں اس وقت جدا ہو رہا ہے۔"[۱]

اسی خط میں جس کو طبری نے نقل کیا ہے، لکھا ہے:

"تمہارے لئے ضروری ہے کہ عفو و در گزر سے کام لو لیکن کوئی حق ضائع نہ کرنا کہ کوئی نادان کہے کہ تم نے خدا کا حق پامال کر دیا۔ اپنے نمائندوں کے کردار اور ان کے چال چلن پر نظر رکھنا، اگر ان کی طرف سے کسی موقعہ پر تمہاری تنقید ہو تو لوگوں سے معذرت کر لینا تاکہ وہ تمہاری معذرت قبول کر لیں۔"[۲]

غیر مسلمانوں پر بھی آپؐ کی عنایتیں تھیں۔ آپ اپنے نمائندوں، صوبہ داروں اور حکومت کے ذمہ داروں کو انسانی ہمدردی سے متعلق فرماتے ہیں:

"جو یہودی یا نصرانی اپنی خوشی و خلوص سے اسلام قبول کرتا ہے اسے مومن سمجھا جائے اور جو فائدے مسلمانوں کے لئے ہیں وہی اس کے لئے بھی ہیں اور جو یہودی یا نصرانی اپنے دین پر باقی رہنا چاہتا ہے اس کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جائے گا۔ لیکن ہر غیر مسلم بالغ پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام ایک دینار یا اس کے بجائے لباس یا کوئی دوسرا کپڑا دینا ضروری ہے جو یہ مبلغ دے گا وہ خدا اور اس کے رسولؐ کی پناہ میں ہے اور جو یہ مبلغ ادا نہیں کرے گا وہ خدا، اس کے رسولؐ اور تمام مسلمانوں کا دشمن ہے۔"[۳]

اس زمانہ میں اقوام و قبائل اپنی قومی و نسلی برتری کے بارے میں سوچ رہے تھے اور سماجی جھگڑوں میں الجھے ہوئے تھے لیکن آپؐ کی کوششوں سے مسالمت آمیز اور صلح پسند زندگی گزارنے لگے۔ آپؐ کی ایسی پر ثمر کوششوں میں سے ایک، عقد مواخات بھی ہے جس میں آپؐ نے مسلمانوں کو ایک

---

۱. کنزالعمال، ج ۱۱، ص ۴۳۴

۲. ایضاً

۳۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۲۹

دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا بلکہ غیر مسلموں کے درمیان بھی رشتہ برادری استوار کر دیا تھا۔ قرآن مجید نے بھی اس کی تاکید کی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فاصلِحُوا بَینَ اَخویکُم۔[۱]

رسولؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان دو بار معاہدہ اخوت اور رشتۂ برادری قائم کیا۔ ایک بار ہجرت سے قبل مہاجرین کے درمیان جب کہ ان کے درمیان عداوت تھی اور دوبارہ مدینہ پہنچنے کے بعد ایک مہاجر اور ایک انصار کو بھائی بھائی بنایا۔ اس طرح آپؐ باہمی زندگی بسر کرنے کے اصول بنانے والے اور اجتماعی و سماجی روابط کو منظّم کرنے والے سمجھے جاتے ہیں۔

رحمت و بخشش

محبت و مہربانی اور بخشش و کرم بھی رسولؐ کی سیرت تھی۔ آپؐ اپنے بلند اخلاق سے لوگوں کے ساتھ نہایت ہی خاکساری سے پیش آتے تھے۔ دوسروں کی خطا اور ان کے غلط رویہ سے چشم پوشی کرتے تھے۔ اپنے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے مگر یہ کہ خدا کی حدوں میں سے کوئی حد جاری کرنا مقصود ہوتا۔ فتح مکہ کے روز آپؐ کی پیروی کرنے والوں میں سے سعد بن عبادہ نے یہ رجز پڑھا: الیوم یوم الملحمہ الیوم تستحل الحرمة، آج انتقام کا دن ہے، آج حرمتوں کی پامالی کا دن ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ آپؑ یہ اعلان کریں: الیوم یوم المرحمة، آج رحم و مہربانی کا دن ہے، انتقام کا نہیں۔ حالانکہ آپؐ مکہ میں سب کو قتل کر سکتے تھے۔

جس وقت اسلام کے دس ہزار کے لشکر نے مکہ فتح کیا، اس وقت رسول اسلامی حکومت اور اقتدار کی مسند پر فائز تھے۔ آپؐ فرشتہ صفت اور نورانی چہرہ کے ساتھ کعبہ کے پاس کھڑے ہوئے اور جذبہ انتقام کی آگ میں جلنے والوں، ابوسفیان، عکرمہ بن ابوجہل اور باطل کے لشکر کو مخاطب کرکے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ انہوں نے کہا: ہمیں آپؐ سے نیکی ہی کی توقع ہے۔ آپؐ ہمارے کرم فرما بھائی اور نیک و شریف بھتیجے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اِذْهَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء[۲]، جاؤ، تم آزاد ہو۔ اس طرح آپؐ نے ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا اور انہیں آزادی کا مژدہ سنا دیا حالانکہ یہ

۱۔ سورہ حجرات، آیت ۱۰

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۳۱۵

وہی لوگ تھے جنہوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو اذیت دی تھی، وہی لوگ آج آپؐ کی محبت و بخشش سے مالامال تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد رسولؐ نے یہ طے کیا کہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ حج و طواف کے لئے مکہ جائیں گے۔ صلح پسند رسول اسلامؐ نے مکہ والوں کو یہ باور کرانے کے لئے کہ ہمارا یہ سفر صلح و سلامتی کے ساتھ ہے، ستر اونٹوں کے گلے میں قربانی کی نشانی ڈال کر قافلہ کے آگے قرار دیا۔

اہل مکہ کو رسولؐ کے قافلہ کی روانگی کی خبر ہو گئی۔ وہ آپؐ کا راستہ روکنے اور آپؐ سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپ مدینہ واپس چلے جائیں۔ رسولؐ نے ان سے صلح کی اور ان کی پیشکش کو اس شرط پر قبول کر لیا کہ آپؐ آئندہ سال مکہ آئیں گے۔ پھر رسولؐ نے حکم دیا کہ ان اونٹوں کو اسی جگہ قربان کر دو اور واپس چلو۔ حالانکہ آپؐ طاقت کے بل پر مکہ میں داخل ہو سکتے تھے لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔[1]

جنگ احد میں آپ کے معاون و مددگار حضرت حمزہ کو مشرکین نے قتل کر دیا اور انہیں مثلہ کر دیا۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) نے بغض و عداوت کی بنا پر ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے چبایا۔ آپؐ جناب حمزہ کے بدن کے اس دلخراش منظر اور مشرکین کی اس درندگی پر سخت برہم تھے اور ان سے سخت انتقام لینا چاہتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی: وإنْ عَاقَبتم فعاقِبوا بِمِثل مَا عوقِبتم بہ[2]۔ ترجمہ: جس قدر آپ پر ظلم ہوا ہے، اسی تناسب سے انتقام لیجئے۔ اس وحی کے بعد رسولؐ نے قریش کو معاف کر دیا اور کسی کو مثلہ نہیں کیا۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر قبیلۂ خزاعہ نے رسولؐ سے معاہدہ کیا اور قبیلہ بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کیا۔ بنو بکر اور قریش نے قبیلہ خزاعہ پر بزدلانہ حملہ کیا۔ سنہ ۸ ہجری میں رسولؐ اس ظلم کی سزا دینے اور دفاع کے لئے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش اور اس کے حلیف اس واقعہ کی

۱۔ رضوانی، علی اصغر، صلح طلبی، ص ۳۶

۲۔ سورہ نحل، آیت ۱۲۶

خبر سن کر دہل گئے اور آنحضرتؐ کے مقابلہ میں خود کو کمزور محسوس کیا۔ انہوں نے جنگ کا ارادہ ترک کر کے پسپائی اختیار کر لی لیکن رسولؐ نے ان کی بد عملی کے باوجود ان سے انتقام نہیں لیا بلکہ مکہ میں داخل ہونے کے بعد ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیا۔[1]

جنگ خیبر میں رسولؐ کا سخت ترین دشمن قبیلۂ بنی نضیر تھا جو آپؐ کو نقصان پہنچانا اور قتل کرنا چاہتا تھا اور جنگ خندق میں انہوں نے کافروں اور مشرکوں کی مدد کی تھی۔ اسلام کے خلاف آگ بھڑکانے میں کبھی خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ رسولؐ نے ان سے جنگ کرنے کا قصد کیا۔ اس جنگ کے نتیجہ میں آپؐ نے بہت سے قلعے فتح کئے۔ دو قلعے اس لئے فتح نہیں ہوئے تھے کہ ان کے باشندوں نے رسولؐ سے یہ کہہ کر کہ ہم عنقریب قلعہ چھوڑ کر چلے جائیں گے، پناہ حاصل کر لی تھی۔[2]

مشاورت

مختلف مسائل میں دوسروں سے مشورہ اور رائے طلبی، ، منصوبہ سازوں کی اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے لہٰذا ماہرین سے مشورہ اور رائے طلب کرنا منصوبہ سازی کو آسان اور منصوبہ سازوں کی صحیح و منطقی منصوبہ سازی میں مدد دیتا ہے۔ آیۂ وَامرُهُم شُورىٰ بَينَهُم ، اسی موضوع کی طرف اشارہ ہے۔ رسولؐ بھی اس آیت اور دوسری آیات کے پیش نظر، سماجی و اجتماعی امور میں قوم کے بزرگوں سے مشورہ کرتے تھے۔ اس سے آپ کا مقصد دوسروں کو اہمیت دینا اور ذمہ داروں اور عہدہ داروں کو عملی تعلیم دینا تھا تاکہ جس کام کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے اس میں وہ خودرائی سے کام نہ لیں اور دوسروں کے نظریات سے بھی استفادہ کریں تاکہ امور کو حل کرنے میں ان کی صحیح راہنمائی ہو سکے اور ان کاموں کو انجام دیا جاسکے جن میں لوگوں کی بھلائی اور فائدہ ہو۔

اس حقیقت کے باوجود کہ رسولؐ معصوم تھے اور آپؐ کو مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ اپنے اصحاب و انصار سے مشورہ کرتے تھے۔ جنگ خندق میں کافر فوجیں اسلام کو نابود اور مسلمانوں کو کچلنے کے لئے متحد ہو گئی تھیں۔ ان سے مقابلہ کے سلسلہ میں رسولؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا چنانچہ اس سلسلہ

۱۔ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۱۰۴

۲۔ ایضاً، ص ۳

میں بہت سے نظریات سامنے آئے۔ دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے جناب سلمان فارسی نے بھی خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ اس مشورہ کو سب نے قبول کیا۔ رسولؐ نے بھی اس تجویز کو قبول کیا اور اس کے مطابق عمل کیا گیا۔[۱]

رسولؐ اکرم نے دیگر مواقع پر بھی مشورہ قبول کیا ہے۔ جنگ احد کے موقعہ پر مکہ سے قریش کا ایک ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ رسولؐ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور اس سلسلہ میں مشورہ کیا کہ دشمن سے مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے یا شہر کے باہر نکل کر اس سے جنگ کی جائے۔ مشورہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ شہر کے باہر دشمن سے جنگ کی جائے۔[۲]

جنگ بدر کے موقعہ پر بھی آپؐ نے اپنے قریبی اور صاحبان نظر سے مشورہ کیا۔ دو ہجری میں رسولؐ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ تجارت کے اموال کے ساتھ شام کی طرف جا رہا ہے۔ لشکر اسلام نے کارواں کا تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا، قافلہ شام پہنچ گیا۔ ماہ رمضان میں رسولؐ مکہ میں مسلمانوں کے غصب کئے گئے اموال کے عوض قریش کے اموال کو ضبط کرنے کے لئے تین سو تیرہ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ قریش کا قافلہ نہایت ہی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ انھیں معلوم ہوا کہ مدینہ کی فوج ان کی گھات میں ہے لہٰذا انہوں نے کسی کو مکہ بھیج کر مدد مانگی اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے قافلہ نے اپنا راستہ بھی بدل دیا اور دریائے سرخ کے کنارے سے مکہ کی طرف چلا۔ مکہ سے امدادی ساز و سامان کے ساتھ ایک فوج قافلہ کی مدد کے لئے روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تجارتی قافلہ کا تعاقب کریں یا قریش کی فوج سے مقابلہ کریں یا مدینہ واپس لوٹ جائیں۔ رسولؐ نے صورت حال اصحاب کے سامنے پیش کی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ آپؐ نے اصحاب کی رائے معلوم کرنے کے بعد ضروری حکم صادر فرمایا۔ نتیجہ میں مسلمان کامیاب ہوئے۔ رسولؐ نے پھر دشمن کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔[۳]

۱۔ ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۸۱

۲۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ص ۱۵۰

۳۔ ایضاً، ص ۱۲۰

رسولؐ کی سیرت میں مشورہ کا موضوع فوجی یا سماجی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ آپؐ نے مختلف موقعوں پر اصحاب سے مشورہ کیا ہے، کسی ایک علاقہ یا متعدد علاقوں کی صوبہ داری کے لئے نمائندوں کے انتخاب کے لئے اپنے قریبی افراد اور صاحبان نظر سے رائے طلب کی اور پھر مد نظر علاقہ میں ان کا تقرر کیا۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ رسول اسلامؐ عقلِ کُلّ تھے اور وحی کے ذریعہ خدا کے لایزال علم و قدرت سے آپؐ کا رابطہ رہا کرتا تھا۔ اس بنا پر آپؐ علم و عقل کے اعتبار سے جزوی امور میں دوسروں کے مشورہ کے محتاج نہیں تھے بلکہ آپؐ عام لوگوں کی تعلیم کے لئے ایسا کرتے تھے۔ آپؐ کی اس سیرت میں اسلامی معاشرہ کے ذمہ داروں کے لئے بڑا درس ہے۔ آپؐ اپنے اس عمل سے ان کی راہنمائی کرتے تھے اور تمام ذمہ داروں کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ دوسروں کو اہمیت دی جائے، ان کی شخصیت کو ابھارا جائے اور ان کی ترقی کے لئے زمین ہموار کی جائے تاکہ شائستہ اور باصلاحیت اشخاص کے لئے کام کے مواقع فراہم ہو سکیں۔

وفاءِ عہد و پیمان

اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے سے لوگ حکومت کے نمائندوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ بے شک اس اعتماد سے حکومت کی بنیاد مستحکم و مضبوط ہوتی ہے اور حکومت کرنے میں حاکم و زمام دار کو مدد ملتی ہے۔ اس موضوع پر بہت سی آیتوں میں تاکید ہوئی ہے۔ رسول اسلامؐ نے بھی الٰہی احکام و تعلیمات اور دستورات کی روشنی میں، امانتداری اور عہد کی پابندی پر خاص توجہ فرمائی ہے۔ اس لحاظ سے آپؐ اپنے عہد کے سب سے بڑے امین تھے اسی وجہ سے آپؐ کو امین کا لقب دیا گیا تھا۔ آپ خود بھی فرماتے تھے: جان لو خدا کی قسم، میں زمین و آسمان میں امین ہوں۔

سیرت رسولؐ میں عہد و پیمان کی پابندی کے بارے میں قاضی عیاض نے ابوالحسماء سے اس طرح نقل کیا ہے:

> "بعثت سے پہلے، میں نے رسولؐ سے لین دین کیا، اس معاملہ کا کچھ پیسہ میری طرف باقی رہ گیا تھا۔ میں نے آنحضرتؐ سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا، لیکن میں بھول گیا۔ تین روز بعد مجھے یاد آیا کہ مجھے فلاں جگہ جانا تھا، میں فوراً وہاں گیا تو دیکھا کہ آنحضرتؐ میرے منتظر ہیں۔ مجھے دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: اے جوان! تم نے مجھے

مشقت میں ڈال دیا، میں تین روز سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

اسی طرح امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ رسولؐ نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ میں تمہارے واپس آنے تک فلاں پتھر کے پاس تمہارا انتظار کروں گا۔ وہاں آفتاب کی حرارت سے آپ کو تکلیف ہو رہی تھی۔ اصحاب نے عرض کی اگر آپؐ سایہ میں چلے جائیں تو کیا حرج ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وعدہ گاہ یہی ہے، میں یہیں رہوں گا اگر وہ نہیں آئے گا تو وعدہ خلافی اس کی طرف سے ہو گی، میں وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔[1]

اس سلسلہ میں عمار یاسر سے اس طرح منقول ہے:

"رسولؐ مبعوث بہ رسالت ہونے سے پہلے اہل مکہ کی بھیڑیں چرانے کے لئے انھیں پہاڑ کے دامن میں لے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں، میں بھی جوان تھا، میں نے آنحضرتؐ سے وعدہ کیا کہ کل ہم ایک ساتھ بھیڑوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان لے جائیں گے وہاں اچھی گھاس ہے۔ اس روز مجھے دیر ہو گئی میں نے دیکھا کہ رسولؐ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان اپنے گلہ کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن بھیڑوں کو چرانے سے روکے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا: بھیڑوں کو چرانے سے کیوں روکے ہوئے ہیں؟ فرمایا: میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ایک ساتھ بھیڑوں کو چرانے کے لئے چراگاہ لے جائیں گے۔ لہٰذا مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں اپنی بھیڑوں کو تم سے پہلے چراگاہ لے جاؤں۔"[2]

رسولؐ صرف اپنے اصحاب اور دوستوں کے عہد ہی کو پورا نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے مطابق مسلمان صلح نامہ لکھے جانے کے ایک سال بعد مکہ جا سکتے تھے اور وہاں تین روز تک عمرہ کے اعمال انجام دے سکتے تھے اور اس کے بعد مکہ چھوڑ سکتے تھے۔ رسولؐ

۱۔ طباطبائی، محمد حسین، سنن النبی، ص۱۶۵

۲۔ بحار الانوار، ج ۷۵، ص۹۶

۶ ہجری کے عمرہ کی قضا کرنے کے لئے صلح حدیبیہ میں موجود اصحاب کے ساتھ ۷ ہجری کے ماہ ذی قعدہ میں مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر مکہ خالی کر دیا۔ رسولؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور تین روز تک مکہ میں قیام پذیر رہے۔ چوتھا دن آیا تو قریش کے نمائندے آئے اور کہنے لگے طرفین کے درمیان تین روز مقرر ہوئے تھے۔ تین روز بعد ان کی سرزمین کو خالی کر دینا چاہئے۔ بعض صحابہ قریش کے نمائندوں کی یہ بات سن کر غضبناک ہوئے لیکن رسولؐ عہد کے پابند تھے، ان کی باتوں سے قطعاً رنجیدہ نہیں ہوئے اور فرمایا: رات تک کسی بھی مسلمان کو مکہ میں نہیں رہنا چاہئے۔ اس کے بعد مسلمانوں کے درمیان کوچ کا اعلان ہوا اور سب نے بلافاصلہ حرم الٰہی کو چھوڑ دیا۔[1]

مختصر یہ کہ رسولؐ نے اپنی حیات شریف میں لوگوں سے جو وعدے کئے تھے اور کچھ وجوہات کی بناپر انھیں پورا نہیں کرسکے تھے، ان کی انجام دہی کے لئے اپنی رحلت کے وقت حضرت علیؑ کو بلایا اور اس طرح وصیت فرمائی: ’برادرم میری یہ وصیتیں قبول کرو! میرے وعدوں کو پورا کرنا اور میرا قرض ادا کر دینا۔ حضرت علیؑ نے عرض کی: ان وصیتوں کو میں صحیح طور پر انجام دوں گا۔[2]

جس معاشرہ میں لوگ اپنے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور حکومتی نمائندے اور عہدہ دار اپنے وعدوں پر بروقت عمل کرتے ہیں یقیناً ایسا معاشرہ آسیب و گزند سے محفوظ رہتا ہے، وہاں کے حکام اور عوام بھی امن وامان کی زندگی سے مالامال رہتے ہیں۔ وہ کسی تشویش و اندیشہ میں مبتلا نہیں ہوتے ہیں۔

حکومت کو امانت سمجھنا

حکومت و اقتدار ایک امانت ہے جسے عوام نمائندوں کے سپرد کرتے ہیں۔ نمائندوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس امانت کی اچھی طرح حفاظت کریں اور جو ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے اسے صحیح طریقہ سے انجام دیں ورنہ وہ لوگوں پر حکومت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ بیشتر سیاسی نظاموں کے حکام اپنے ذاتی مفاد اور اپنے اقرباء کے فائدے کے لئے حکومت کا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ انبیائے الٰہی جب بھی مبعوث ہوئے انہوں نے اس غیر خدائی اور غیر انسانی طریقہ کی مقتضائے وقت کے مطابق مخالفت کی اور اس کے خلاف جہاد کیا، اکثر اس سلسلہ میں قید

۱۔ بحار الانوار، ج ۲، ص ۳۵۱

۲۔ قمی، عباس، منتہی الاعمال، ص ۱۷۶

کی صعوبتیں اور شکنجوں کی اذیتیں برداشت کرنا پڑیں اور کبھی اپنی جان سے گزرنا پڑا۔ رسول اسلامؐ نے بھی دستورات الٰہی سے الہام لیتے ہوئے اپنے زمانہ کے فرعون کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور نتیجہ میں اسلامی حکومت بنائی اور سیاسی قوت و اقتدار کو اسلام کے مقدس مقاصد اور معاشرہ کے لوگوں کے فائدے کے لئے استعمال کیا۔ اسی حکومت کے اتباع میں حضرت علیؑ کی کوتاہ مدت حکومت بھی سرگرم عمل تھی۔ انھیں الٰہی حکومتوں سے درس لیتے ہوئے اور انہیں اپنا نمونہ قرار دیتے ہوئے، اسلامی جمہوریہ ایران کا نظام بھی ان کے اصولوں پر پورا اترنے کی کوشش کرتا ہے، انشاء اللہ کامیاب ہو جائے گا۔

سیرت نبوی میں معاشرہ کے حکام وزمام دار لوگوں کے امانتدار اور ان کے خادم ہیں۔ سَیِّدُ القَومِ خَادِمُھُم۔ خود رسول خداؐ کا یہی شیوہ تھا۔ آپؐ نے یمن میں اپنے کارندہ کو ایک حکومتی فرمان میں تاکید کی ہے کہ حکومت کو اپنے ناجائز مقاصد کے لئے استعمال نہ کرنا بلکہ اسے ایسی امانت سمجھنا کہ جس کی اچھی طرح حفاظت کی جاتی ہے:

> ''اے معاذ! انھیں کتابِ خدا کی تعلیم دینا اور پسندیدہ اخلاق کی بنیاد پر ان کی تربیت کرنا۔ ہر نیک و بد کو اس کے شایان شان جگہ دینا، ان کے درمیان خدا کا حکم جاری کرنا اور کسی کو لوگوں کے اموال میں دخل اندازی کی اجازت مت دینا، کیونکہ یہ حکومت اور اموال تمہاری ملکیت نہیں ہے اور ان کی امانت کو ادا کر دینا''۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسول خداؐ امانت کی سختی سے پابندی کرتے تھے یہاں تک کہ اگر آپؐ کے پاس سوئی دھاگا بھی امانت کے طور پر رکھا جاتا تھا تو اسے بھی اس کے مالک کو وقت مقررہ پر واپس کر دیتے تھے۔[1] ایسے افراد کو ذمہ داری سپرد کرنا چاہئے جن کے اندر امانت داری کی خصلت ہو، کیونکہ اگر امانت داری کا جوہر نہیں ہوگا تو وہ معاشرہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔

۱۔ سنن النبی، ص۶۵

جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے، رسولؐ کے سیاسی نظام میں، صاحبان حکومت و اقتدار لوگوں کی خدمت کرتے تھے اور کوئی شخص بھی کسی بھی عنوان سے حکومت سے غلط فائدہ حاصل نہیں کر سکتا تھا اور آپؐ ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کو معاف نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی سرزنش کرتے تھے۔ اس طرح اسلام کے سیاسی نظام میں ذمہ داریوں کو خدائی امانت سمجھا جاتا ہے۔ ان امانتوں میں خیانت ہر گز قابل معافی اور لائق در گزر نہیں ہے لہٰذا سماجی و اجتماعی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کوتاہی کرنا اور لوگوں کے حقوق کا احترام نہ کرنا اور انھیں ان کے حقوق نہ دلانا، امت کے حقوق کا ضیاع اور اس امانت میں خیانت ہے جو عوام نے ان کے سپرد کی ہے۔ اس امانت کو واپس کرنے کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رسولؐ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی زیادہ نمازوں، کثیر حج اور ان کے راتوں کو گڑگڑانے کو نہ دیکھو بلکہ ان کی امانت داری اور صداقت کو دیکھو۔ اس بناپر حکومت و اقتدار کو امانت سمجھنا اور اس کو صحیح طریقہ سے ادا کرنا عوام و معاشرہ کی خدمت ہے، اس سے خدا بھی راضی ہوتا ہے اور حکومت سے غلط فائدہ اٹھانا اور اس کے امور میں خیانت کرنا، عوام و معاشرہ سے خیانت کرنے کے مترادف ہے اور عوام و معاشرہ سے خیانت کرنا، آیۂ یَا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول وتخونوا اَماناتکم وانتم تعلمون [۱] کے مطابق خدا اور رسولؐ اور انسانوں سے خیانت ہے۔

تعلیم و تربیت کا اہتمام

تعلیم کے معنی سکھانا ہے اور اس کا مطلب ہے انسان کی ذہنی استعداد اور صلاحیتوں کی ترقی اور نکھار کے لئے، اسباب و وسائل فراہم کرنا یا انسان کی فکری صلاحیت میں خلاقیت و ابتکار ایجاد کرنا۔ تربیت کے معنی بھی رشد وارتقاء کے ہیں لیکن اس کے اصطلاحی معنی ہیں: استعدادوں، صلاحیتوں کو ترقی دینا یا ان کی ترقی و نکھار کے لئے زمین ہموار کرنا یا ایک موجود کی مخفی صلاحیتوں کو منصۂ شہود میں لانا اور یہ بات ہر اس موجود پر صادق آتی ہے جس میں رشد وارتقاء کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ انسان ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ [۲]

تعلیم و تربیت یعنی انسان سازی، انہیں انسان بنانے اور عبادت کرنے کے لئے تعلیم و آگہی دینا کہ یہی خلقت انسانی کی غرض ہے۔ آیۃ وَمَا خَلَقْتُ الجن والانس اِلاَّ لِیعبدون اسی موضوع کی طرف

۱۔ سورہ انفال، آیت ۲۷

۲۔ رہبر، محمد تقی رحیمان، محمد حسن، اخلاق و تربیت اسلامی، ص ۶

اشارہ ہے اور انبیاء کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی ہے تاکہ وہ انسان کو آگاہ کریں اور اپنے زیر سایہ ان کی تعلیم و تربیت کریں تاکہ وہ حکم خدا پر عمل کریں۔

آیہ هُوَالَّذی بَعثَ فی الأُمِّیّین رسولا منهم یتلوا عَلیهم آیاتهٖ ویُزکیهم ویُعَلِمُهم الکتٰبَ وَالحکمَة[۱] سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۹ و ۱۵۱ بھی اسی موضوع پر تاکید کرتی ہیں اور لفظ یعلمهم الکتٰبَ وَالحکمَة تعلیم کی طرف اور یزکیهم تربیت و پرورش کی طرف اشارہ ہے اور یہ دونوں انسان کی صلاحیت کو نکھارنے میں ایک دوسرے کو مکمل کرتی ہیں۔

اسی بنا پر رسول اسلامؐ نے انسانی اقدار کی بنیاد سمجھے جانے والے موضوع، تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی ہے اور اس کی ترویج و تحکیم کے لئے بڑا اہتمام کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے انسانی تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو اپنی بعثت و رسالت کا مقصد قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: بالتعلیم ارسلت۔[۲]

اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی تعلیم و تربیت کا نقطۂ آغاز بعثت رسولؐ، یا آپؐ پر فرشتۂ وحی کا نزول ہے۔ اور وہ آیۂ علق کا نزول ہے۔ یہ آیت رسولؐ پر نازل ہوئی اور آپؐ معلم بن گئے اور اسلامی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ چنانچہ آپؐ خود فرماتے ہیں: ''اِنّما بُعِثت معلّماً'' میں تعلیم و تربیت کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔[۳]

شروع میں رسولؐ نے خفیہ طور پر خاص افراد مثلاً حضرت خدیجہؑ اور حضرت امام علیؑ کی تربیت کی اور یہی سابق الاسلام ہیں۔ پھر آپؐ نے اجتماعی طور پر تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ اس جماعت میں آپؐ کے انصار و اصحاب شامل تھے اور جب آیۂ وَاَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبین نازل ہوئی تو آپؐ نے علی الاعلان اسلامی تربیت کا آغاز کیا یہاں تک کہ بادشاہوں، مذہبی رہبروں اور اقوام و قبائل کے سرداروں کو خط ارسال کئے۔

۱۔ سورہ جمعہ، آیت ۲

۲۔ مطہری، مرتضی، تعلیم و تربیت اسلامی، ص ۱۰

۳۔ حسینی، سید علی اکبر، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامی، ص ۲۷

علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں نقل کیا ہے کَانَ رَسولُ اللّٰہِ اذا حَدّثَ الحدیثَ او یسئل عن الامر، کرّرہ ثلاثاً لیفھمَ و یَفْھَمَ جب آپؐ لوگوں کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتے تھے یا آپؐ سے کوئی سوال دریافت کیا جاتا تھا تو آپؐ اسے تین بار بیان کرتے تھے تاکہ مدمقابل اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

رسول اسلامؐ کے نقطۂ نظر سے تعلیم و تربیت کو دوسرے اخلاقی اقدار پر برتری حاصل ہے۔ آنحضرتؐ نے اس موضوع پر خاص توجہ دی ہے اور انھیں مختلف محافل و مجالس میں اور دیگر مواقع پر مکرر بیان کیا ہے۔ منقول ہے کہ ایک روز رسولؐ مسجد میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ وہاں لوگوں کے دو دستے الگ الگ جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ دینی بصیرت اور علم حاصل کرنے میں مشغول ہے۔ دوسرا گروہ خدا سے دعا اور حاجت طلبی میں مصروف ہے۔ آپؐ نے ان دونوں کو آفرین کہا، شاباشی دی اور فرمایا: یہ دونوں گروہ خیر و سعادت کے کام میں مشغول ہیں چونکہ ایک گروہ خدا سے دعا کر رہا ہے اور اسے پکار رہا ہے اور دوسرا علم و دانش حاصل کر رہا ہے اور اپنی دینی معلومات کو تعلیم کے ذریعے دوسروں تک منتقل کرنا چاہتا ہے، اگرچہ دونوں گروہ کامیابی و فضیلت کے راستہ پر گامزن ہیں لیکن پہلا گروہ دوسرے گروہ پر برتری رکھتا ہے، میں تمہارا رسولؐ ہوں، حقائق کی تعلیم اور آگہی و معلومات کو عام کرنے کی ذمہ داری اپنے دوش پر لیے ہوئے ہوں اور میری بعثت کا مقصد بصیرت ایجاد کرنا اور تعلیم دینا ہے۔ پھر آپؐ اس گروہ کے پاس بیٹھ گئے جو علم اندوزی اور دینی تعلیم و تربیت میں مشغول تھا۔ رسولؐ نے اپنے اس نمونہ کردار سے دونوں گروہوں کی قدر و قیمت متعین فرمادی اور عملی طور پر اعلان کر دیا کہ تعلیم و تربیت عبادت پر فوقیت رکھتی ہے۔[1]

تعلیم و تربیت کی دیگر فضائل پر برتری کو بہت سی معتبر کتابوں میں نبی اکرمؐ کی زبان سے نقل کیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ تعلیم و تربیت کرنے والوں کو فرشتوں کا ہمنشین قرار دیتے ہیں ۔ صفوان بن غسّان سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں آنحضرتؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوا، آپؐ سرخ رنگ مسند پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے علم حاصل کرنے کے لئے مسجد کا رخ کیا ہے۔ رسولؐ نے فرمایا:

۱۔ شہید ثانی، منیۃ المرید، آداب تعلیم و تعلم، ص ۵۵

''شاباش! تم ہی طالب علم ہو! طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پر بچھادیتے ہیں اور زمین سے آسمان تک وہ اس کے گرد جمع رہتے ہیں اور اس کی محبت و مودت میں سرشار رہتے ہیں۔''

رسولؐ کے تربیتی مکتب و مرکز میں حضرت علیؑ جیسی شخصیت پرورش پاتی ہے جو اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں:

''رسولؐ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوتی تھی مگر یہ کہ اسے آپؐ مجھے سناتے تھے اور املا کراتے تھے تاکہ میں اسے اپنے قلم سے لکھوں، اسی طرح مجھے قرآن کی تاویل و تفسیر اور اس کے ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ اور اس کے خاص و عام سے آگاہ کیا اور خدا سے دعا کی کہ میرے حافظہ و فہم میں اضافہ فرمائے۔''[1]

حضرت علیؑ رسولؐ کے ساتھ اپنی رفاقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

'' میں رسولؐ کے ساتھ ہمیشہ اس طرح رہتا تھا جس طرح بچہ ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ آپؐ ہر روز میرے لئے علم کا نیا گوشہ آشکار کرتے تھے اور مجھ سے فرماتے تھے کہ میں آپؐ کی پیروی کروں۔''[2]

اس طرح آپؐ رسول اعظمؐ کے مکتب کے تربیت یافتہ ہیں۔ حضرت علیؑ نے رسولؐ کے دامن میں اس طرح پرورش پائی، پھر آپؐ نے اپنی دختر نیک اختر جناب فاطمہ زہراؑ کو حضرت علیؑ کی زوجیت میں دے دیا۔ ایسی بے نظیر خاتون جس کا ہمسر خدا اور رسولؐ کو زمین و آسمان میں نہیں ملا، ان دونوں عظیم شخصیتوں کی پاک و پاکیزہ اولاد نے رسول خداؐ کی اسلامی تعلیم و تربیت کی مہم کو دائمی بنایا۔

اب ہم رسول اکرمؐ کے زمانہ کی تعلیم و تربیت کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو آپؐ کی سیرت کا جز تھے اور اس الٰہی و انسانی اہم امر کے بعد والے مراحل کے لئے زمین ہموار کرنے کا سبب بنے۔

۱۔ صدوق، الخصال، ص ۱۹۲

۲۔ خطبہ ۱۹۲

پہلی اور اہم ترین خصوصیت کو رسولؐ کی شخصیت میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ رسولؐ ایسی خاص روش اور طریقہ سے استفادہ کرتے تھے جو موقعہ محل کے مطابق ہوتی تھی۔ آپؐ سادگی کی رعایت کرتے تھے اور آپؐ کے قول و عمل میں ہم آہنگی ہوتی تھی۔ اس اعتبار سے رسولؐ معلم و مربی اور قرآن کی لفظوں میں اسوۂ حسنہ تھے لہٰذا ان کی تاسی و پیروی ہونی چاہئے اور ان کی تربیتی ہدایتوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

عہد رسولؐ کی تعلیم و تربیت کی دوسری خصوصیت عمومی تعلیم تھی۔ اس بنا پر تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے علم حاصل کریں۔

عصر رسولؐ کی تیسری خصوصیت تعلیم کا موضوع و محتویٰ ہے جو اعتقادی اصولوں، مواعظ، اخلاق اور فقہ و تاریخ پر مشتمل ہے۔ درحقیقت یہ ایسے موضوعات تھے جن کی بنا پر بعد والے زمانہ میں بہت سے علمی اسلامی ادارے وجود میں آئے۔

چوتھی خصوصیت، اصول اور منصوبہ بندی میں تنوع ہے جس میں وسیع تر خیالات شامل ہوتے تھے۔ ایک طرف تو بے علم لوگوں کو علم حاصل کرنے کا شوق دلایا جاتا تھا اور دوسری طرف زمام داروں اور سربراہوں سے خط وکتابت ہوتی اور مسلمانوں کو غیروں کی زبان سیکھنے کی رغبت دلائی جاتی تھی۔

عصر رسولؐ میں تعلیم وتربیت کی پانچویں خصوصیت علم و ثقافت کی وسعت تھی۔ ابتداء میں یہ کام حرمین شریفین سے شروع ہوا اور اطراف و جوانب میں معلموں کو بھیج کر بتدریج اس میں ترقی ہوئی۔ کبھی کبھار رسولؐ بھی ان علمی کلاسوں میں تشریف لاتے اور طالب علموں اور اسلامی تربیت حاصل کرنے والوں کو نصیحت کرتے تھے۔[1]

یہ حقیقت پوری طرح واضح ہے کہ تعلیم وتربیت پر رسولؐ کی خاص توجہ تھی اور درج ذیل جملہ اس بات کو ثابت کرتا ہے: اطلبوا العلم ولو بالصین، رسول اسلامؐ نے اس موضوع کو اتنی اہمیت اس لئے دی ہے تاکہ دینی و انسانی تہذیب و ثقافت ترقی پاسکے، اسلامی آداب کا رواج ہو، تحصیل علم کی طرف رغبت ہو اور عہد جاہلیت کے عربوں کو انسانی و الٰہی اخلاق و اقدار سکھائے جائیں۔ یقیناً رسولؐ نے اس سلسلہ میں کامیابی حاصل کی اور اس طرح لوگوں کی تربیت کی کہ وہ لوگ جو اخلاق و اقدار کے نام سے بھی

۱۔ تاریخ تعلیم وتربیت اسلامی، ص ۴۳

واقف نہیں تھے وہ اس پر قربان ہونے کے لئے تیار ہوگئے اور آپؐ کی تعلیم و تربیت نے درندہ صفت اور وحشی انسانوں کو باافہم، مہذب، صاحبِ علم اور حقیقت پسند بنا دیا۔

دشمن کے ساتھ انسانی برتاؤ

اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر مذہب و مسلک کے لئے ضروری ہے کہ انسانوں اور معاشرہ و سماج کے معاملات میں انسانی اخلاق و اقدار کو ملحوظ رکھے اور مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی اس دستور کے مطابق عمل کرے۔ یہ انسانی اور الٰہی دستور جو رسولؐ کی دینی تعلیمات میں سے ایک ہے، آپؐ کے افکار و خیالات اور آپؐ کے سیاسی و حکومتی کردار میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

امام صادقؑ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب رسولؐ جنگ کے لئے لشکر بھیجنا چاہتے تھے تو فوج کے سپہ سالار خصوصاً اور عموماً پورے لشکر کو خوفِ خدا اور تقویٰ کی تلقین کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے:

> ''خدا کے نام سے اور اس کے لئے کافروں سے جنگ کرنا، مکر نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، قتل ہو جانے والوں کے کان، ناک نہ کاٹنا، بچوں کو اور پہاڑوں پر عبادت کرنے والوں کو قتل نہ کرنا، خرما کے درختوں کو آگ نہ لگانا اور پانی میں غرق نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کھیتیوں میں آگ نہ لگانا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کل تم اس کے محتاج ہو جاؤگے، حلال مویشیوں کو کھانے کے علاوہ ذبح نہ کرنا۔ دشمن سے مقابلہ کے وقت اسے تین باتوں، مسلمان ہونے، جزیہ دینے یا جنگ نہ کرنے، کی دعوت دینا اگر وہ ان تینوں میں سے کسی بات کو قبول کرلے تو ان کی بات کو تسلیم کرلینا اور ان سے جنگ نہ کرنا۔''[1]

رسولؐ کی دینی تعلیمات کے مطابق کفار و منافقین سے جنگ کرنا جائز ہے لیکن انھیں شکنجہ

۱۔ سنن النبی، ص ۸۵و۸۶

دینااور جسمانی و روحانی اور نفسیاتی اذیت وآزار پہچانا منع ہے۔ اسی مہربان اور بخشنے والے خدا نے آپؐ کو رحمۃ للعالمین کا لقب دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے درج ذیل چیزوں سے منع کیا ہے:

روحی و نفسیاتی برتاؤ: جنگ خیبر مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہونے والی بڑی جنگوں میں سے ایک ہے جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کچھ یہودیوں کو مسلمانوں نے اسیر کیا، انھیں میں سے صفیہ بنت یحییٰ ابن اخطب بھی تھی۔ (یحییٰ یہودیوں کا بڑا عالم تھا) رسولؐ کے قریبی صحابی بلال حبشی نے ایک عورت کے ساتھ صفیہ کو اسیر کیا اور انھیں یہودیوں کی لاشوں کے قریب سے گزارا اور رسولؐ کے پاس لائے۔ صفیہ نے جب راستہ میں یہودیوں کی زخمی لاشوں کو دیکھا تو انہیں بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے منھ پر طمانچے مارے اور سر پر خاک ڈالی۔ رسولؐ نے معلوم کیا کہ تم نے چہرہ پر طمانچے کیوں مارے اور یہ سر پر خاک کیوں ڈالی ہے؟ صفیہ نے ماجرا بیان کیا۔ رسولؐ بلال کے اس غیر اسلامی رویّہ کو سن کر وہ بھی ایک عورت کے بارے میں، رنجیدہ ہوئے اور بلال سے فرمایا: اے بلال! کیا تمہارے اندر مہر و محبت اور رحم دلی کا جذبہ بالکل نہیں رہا کہ تم نے انھیں ان کے مقتولوں کے پاس سے گزارا ہے؟ یہ بے رحمی کیوں کی ہے؟ بلال حبشی کا رسولؐ کی نظر میں بڑا مرتبہ تھا اس کے باوجود رسولؐ نے انھیں اس طرح سرزنش کی۔[1]

رسولؐ فوج کے سپہ سالاروں کو اسیروں سے برتاؤ کے خاص احکام دیتے تھے اور ان کے ساتھ انسانی سلوک روا رکھنے اور اسلامی محبت و مہربانی کے ساتھ پیش آنے کی تاکید فرماتے تھے اور اسیروں کو روحی، جسمی اور نفسیاتی اذیت وآزار پہنچانے سے منع کرتے تھے۔ جنگ بدر سے واپسی کے وقت رسولؐ کے چچا جناب حمزہ اسیروں کو رسولؐ کی خدمت میں لائے تاکہ ان کا فیصلہ ہو جائے ان کی تعداد ستر تھی۔ رسولؐ نے جناب حمزہ سے فرمایا:

> ”ان لوگوں کو اصحاب کے درمیان خیموں میں رکھو اور یاد رکھو! ہمیشہ اسیروں کا احترام کرنا اور ان کے ساتھ انسانی سلوک روا رکھنا اور اسیروں کی تقسیم میں (یہ حکم دیتے تھے کہ) بچوں کو ماؤں سے جدا نہ کیا جائے، اور راحت وآرام میں انھیں اپنے اوپر ترجیح دی جائے اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے۔“

غزوۂ ذات الرقاع (۴ ہجری) میں لشکر اسلام کی فتح یابی کے بعد رسولؐ نے اپنے سپاہیوں کو

۱۔ محمدی اشتہاردی، محمد، سیرت چہارہ معصوم، ص ۸۹

نصیحت کی کہ جنگ کے بعد اسیروں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، انھیں تازیانے نہ مارنا، ان کے ہاتھ نہ باندھنا صرف ان کے اسلحے ان سے لے لینا۔

جسمی اذیت وآزار: رسولؐ کے نقطۂ نظر سے وہ عام لوگ جو فوج اسلام کے خلاف میدان میں نہیں تھے انھیں اذیت وآزار نہیں دینی چاہئے اور نہ انھیں قتل کرنا چاہئے۔ غزوۂ حنین سے واپسی پر جب رسولؐ نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو فرمایا؛: اس عورت کو کس نے قتل کیا ہے؟ اصحاب نے بتایا: خالد بن ولید نے۔ فرمایا: خالد سے کہہ دو کہ رسولؐ تمہیں بچہ، عورت اور کافر مزدور کے قتل سے منع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپؐ نے فوج اسلام کو کافروں کی سرزمین پر زہر ڈالنے سے بھی منع کیا ہے۔[۱]

ایک غزوہ کے بعد رسولؐ کو یہ بتایا گیا کہ ایک لڑکی کو بھی قتل کیا گیا ہے۔ یہ سن کر رسولؐ بہت غضبناک ہوئے۔ اصحاب نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ ناراض کیوں ہیں؟ وہ لڑکی کافر ومشرک تھی۔ یہ سن کر رسولؐ کے غیظ میں اور شدت آگئی، فرمایا: کیا مطلب؟! یہ ابھی تم سے بہتر ہیں کیونکہ یہ ابھی اپنی پاک فطرت پر ہیں۔ کیا تم مشرکوں کی اولاد نہ تھے؟ خبردار بچوں کو قتل نہ کرنا، ہرگز ایسا نہ کرنا، ہرگز۔[۲]

رسولؐ نے جن باتوں سے فوج اسلام کے سپہ سالاروں کو منع کیا ہے ان میں دشمن کی لاش کو مثلہ اور پارہ پارہ کرنا بھی شامل ہے۔ مثلاً جب جناب حمزہ (رسولؐ کے چچا) کی لاش کو مشرکوں نے مثلہ کردیا تو آنحضرتؐ کو بہت غصہ آیا اور فرمایا: اگر ہم ان (قریش) پر فتحیاب ہوں گے تو ان کے تیس لوگوں کو مثلہ کریں گے، لیکن آیت نازل ہوئی: اے رسولؐ! اگر کسی نے آپؐ پر ظلم کیا ہے تو تم بھی اس پر ایسی ہی ضرب لگا سکتے ہو اور عدل کے مطابق انتقام لے سکتے ہو اور اگر صبر سے کام لو تو صابروں کے لئے یقینا (انتقام سے) بہتر اجر ہے[۳]۔ رسولؐ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس مصیبت پر صبر کیا اور حکم دیا کہ

۱۔ کافی، ص ۲۸۵

۲۔ ضیائی، بیگدلی، محمد رضا، اسلام و حقوق بین الملل، ص ۲۵۲

۳۔ سورہ نحل، آیت ۱۲۶

دشمنوں کا مثلہ نہ کریں۔[۱]

ایک اور بات جس کی رسولؐ نے نصیحت اور سخت تاکید کی ہے وہ یہ ہے کہ دشمن کا محاصرہ نہ کیا جائے اور اس پر اقتصادی پابندی نہ لگائی جائے۔ آنحضرتؐ کے نقطۂ نظر سے ان لوگوں کی بھی اقتصادی محاصرہ و ناکہ بندی نہیں کرنی چاہئے جو فوج اسلام سے جنگ کر رہے ہیں۔ اس کا عملی نمونہ ثمانہ بن اثال حنفی کی حرکت پر آپؐ کا شدید اعتراض ہے۔ فتح مکہ سے پہلے ثمانہ قبیلہ یمامہ کا رئیس و سردار تھا، تازہ مسلمان ہوا تھا۔ اس نے قریش کا اقتصادی محاصرہ کر لیا اور ان تک آذوقہ اور کھانے پینے کا سامان لے جانے والے قافلوں پر پابندی لگا دی اور یمامہ ہی کے راستہ سے وہاں قافلے پہنچ سکتے تھے، دوسری جگہ سے نہیں۔ مکہ والے تنگ آ گئے انہوں نے رسولؐ کی خدمت میں خط روانہ کیا اور مکہ سے اقتصادی پابندی اٹھانے کی درخواست کی۔ آپؐ نے فوراً ثمانہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کھانے پینے کا سامان مکہ جانے دو۔[۲]

مجموعی طور پر اسلام میں خصوصاً رسولؐ اور ائمہ اطہار کے مکتب فکر میں جنگی اسیروں کے ساتھ روا رکھا جانے والا برتاؤ معین ہے اور کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کے خلاف عمل کرے۔ جو اسیر مسلمان ہو جاتے ہیں ان پر خاص توجہ دینی چاہئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ملت اسلامیہ کا جز شمار ہوتے ہیں اور خدا کے قوانین ان پر بھی نافذ ہوتے ہیں۔ بنابرایں کسی شخص کو حق نہیں ہے کہ وہ انھیں کوئی تکلیف دے یا ان کا مذاق اڑائے اور اگر جنگی اسیر پناہ چاہتے ہیں تو انہیں قید و اسیری سے رہا کیا جانا چاہئے اور عورتوں، بچوں اور ناتواں لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے اور ان کے شوہر و بچوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرنا چاہئے، جو زخمی چلنے پھرنے سے عاجز ہوں ان کے ساتھ جنگی اسیروں جیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اس طرح رسولؐ محبت و رحمت نے فوجیوں کو یہ عظیم سبق دیا ہے خصوصاً سپہ سالاروں اور کمانڈروں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جنگی اسیروں کے ساتھ اسلامی مہر و محبت کے مطابق برتاؤ کریں۔

رسولؐ کی حکومتی روش اور اجتماعی سیرت کی روشنی میں معاشرہ میں اقدار کو قائم کرنا

قرآن مجید رسولؐ کو اسوۂ حسنہ قرار دیتا ہے لہٰذا معاشرہ میں اقدار کے فروغ کے لئے رسولؐ کا نمونہ ہونا بہترین ذریعہ ہے، ایسے اقدار جن پر عمل کر کے معاشرہ ہمہ جہت رشد و ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے

۱۔ الکامل فی التاریخ، ص ۲۵۲

۲۔ ابن اسحاق، عبدالملک، سیرت رسول اللہ، ج ۱۰، ص ۹۲

اور انسان اپنا حقیقی وقار حاصل کر سکتا ہے۔ اس وقت معاشرہ میں اعلیٰ اقدار وآراستہ انسان نمایاں طور پر نظر آئیں گے، ان میں سے بعض کو یہاں بیان کیا جاتا ہے:

رسولؐ خُلقِ عظیم کے درجہ پر فائز تھے، "وَاِنَّکَ لَعلیٰ خُلُقٍ عظیمٍ" [۱] اِنھیں بلند اخلاق کے ذریعہ ذریعہ آپؐ کے بہت سے طرفدار ہوگئے تھے [۲]۔ یہ چیز اسلام کے نشر و نفاذ اور راہ تبلیغ میں آپؐ کی کامیابی کا سبب ہوئی۔ آپؐ کی امت بھی آپؐ کی پیروی وتاسی کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ہمدرد و مددگار اور دشمن کے لئے سخت و فولاد بن سکتی ہے۔ اسلامی جمہوریہ نظام بھی رسولؐ کے اس قرآنی پیغام کو نمونہ سمجھتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کے لئے مہربان و ہمدرد اور داخلی و خارجی دشمن کے لئے سخت و سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتا ہے۔

رسولؐ امانت دار اور صحیح العمل تھے اسی لئے لوگ آپؐ کو محمد امین کہتے تھے۔ آپؐ بیت المال کی حفاظت و نگہبانی میں بہت حساس اور نہایت سنجیدہ تھے اور اس سلسلہ میں خود اقدام کرتے تھے۔ کسی جنگ کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی کا انتقال ہوگیا، لوگوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ اس کے جنازے کی نماز پڑھا دیجئے۔ رسولؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے پہلو تہی کی۔ لوگوں نے وجہ معلوم کی۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے اجازت کے بغیر بیت المال سے ایک ردا اٹھالی تھی۔ اس طرح اس نے بیت المال سے غلط فائدہ اٹھایا لہٰذا میں اس کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھوں گا۔ یہ بہت بڑا سبق ہے۔

رسول اعظمؐ بڑا بننے، خاندان پرستی اور قومی عصبیت کے مخالف تھے اور اس کے خلاف جنگ کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: میں روزِ قیامت اولادِ آدم کا سردار وآقا ہوں لیکن مجھ سے نزدیک اور قریب ہونے کی وجہ سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا پائے گا اور اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ اسی طرح آپؐ نے یمن کے صوبہ دار عمرو بن حزام کو خاندان پرستی اور عصبیت سے منع کیا تھا۔ جنگ بدر میں بعض سپہ سالار اور قریبی افراد کو یہ توقع تھی کہ مال غنیمت میں سے انھیں زیادہ ملے گا،

۱۔ سورہ قلم، آیت ۴

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹

لیکن رسولؐ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ کو غیظ آیا اور ان سے مقابلہ کیا۔ اس پیغام سے اہل حکومت اپنے منصب و عہدہ سے غلط فائدہ نہیں اٹھائیں گے اور اس منصب پر فائز ہونے کی بنا پر انھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے قریبی اور احباب کو بیت المال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھیں اور چپ رہیں۔

دینی معاملات اور اصولوں میں آپؐ ہر گز چشم پوشی نہیں کرتے تھے لیکن عام حالات میں مسلمانوں بلکہ بت پرستوں پر بھی مہربان تھے، لطف و محبت آپؐ کا واضح کردار تھا۔ نادانوں اور دشمنوں کی اذیت وآزار پر آپؐ صبر و تحمل سے کام لیتے تھے[۱]۔ مسلمانوں اور اسلامی نظام کے بارے میں آپؐ بہت حساس و سنجیدہ تھے۔ پس بہتر یہی ہے کہ مسلمان اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور مستکبروں اور مخالفوں کی شیطنت پر، مقدسات کی اہانت اور دین کے اصول و ضروریات کے مذاق پر خاموش نہ بیٹھیں اور اقتضائے حال کے مطابق ان کا جواب دیا جائے۔

آنحضرتؐ کے سیاسی نظام میں، حکومت واقتدار، دین کے مفاد، لوگوں کے نفع اور معاشرہ کی بھلائی کے لئے تھا اور آپ کسی بھی مقام و منصب پر فائز حکومت کے ذمہ داروں کو یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے منصب سے غلط فائدہ اٹھائیں یا اپنے حاشیہ نشینوں کو فائدہ پہنچائیں۔ رسول خداؐ عدل کا مرقع اور ظلم ستیزی کا مظہر تھے۔ آپؐ کی حکومتی روش میں یہ بات نمایاں تھی اور آپؐ خود بھی فرماتے تھے کہ عادل خدا کی طرف سے مامور ہونے والے کو عدل وانصاف کے مطابق عمل کرنا ہے[۲]۔

رسولؐ نے اپنی زمام داری کے زمانہ میں، انسانی و الٰہی اقدار و معیار کے مطابق عمل کیا ہے۔ یہ اصول آنحضرتؐ کے سیاسی افکار و کردار میں بخوبی نمایاں تھا اور آپؐ کے سماجی اخلاق کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ آپؐ کی سیرت حسن اخلاق، نصیحت و خیر خواہی، انسانوں کا احترام و اکرام، دوگانگی اور طبقہ بندی سے جنگ اور دوستی و برادری پر استوار تھی۔

رسولؐ اجتماعی عدل پر خاص توجہ رکھتے تھے۔ آپؐ کا کردار، عدل وانصاف قائم کرنے کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپؐ خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے تاکہ باطل کو نابود کریں اور عدل وانصاف کو عام کریں۔ آپؐ نے اس اصول پر عمل کرنے کی پاداش میں بہت سختیاں برداشت کیں اور عدل و حق کے دشمنوں نے آپؐ

۱۔ سورہ احقاف، آیت ۳۵

۲۔ سورہ نحل، آیت ۹۰

کے خلاف بہت سی جنگیں لڑیں۔

آنحضرتؐ معاشرہ سازی اور اخوت و برادری کو عبادت شمار کرتے تھے۔ مومن بھائی کے کھودینے کو آپؐ بدن کے کسی عضوکے کھودینے کے مترادف سمجھتے تھے۔رسولؐ کی نظر میں، حکومت امانت ہے۔ معاذ بن جبل کو پروانہ صوبہ داری دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اے معاذ! میں تمہیں امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس صورت میں لوگ امین و صحیح کام کرنے والے حاکموں کا استقبال کریں گے اور اپنے امور میں ان پر اعتماد کریں گے''

رسولؐ کے نزدیک ذمہ داری اور منصب ایک سنگین امانت ہے۔ ذمہ داروں کو اس کا سخت پاس و لحاظ رکھنا چاہئے اور اسے مقصد تک پہنچانا چاہئے۔ رسولؐ کی سیرت میں اقدار کے تحفظ کی خاص اہمیت تھی ۔آنحضرتؐ ہر موقع پر اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کے سیاسی نظام میں فریب کاری ، دروغ گوئی اور حیلہ سازی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔آپؐ اپنے عہد و پیمان کے پابند تھے یہاں تک کہ دشمنوں سے کئے ہوئے عہد کو بھی پورا کرتے تھے اور دینداری کو عہد پورا کرنے کا لازمہ سمجھتے تھے۔ اپنے امیروں اور صوبہ داروں کو خیانت و پیمان شکنی اور فریب کاری سے بچنے کی وصیت و تاکید کرتے تھے اور اگر کوئی اس کے خلاف کرتا تھا تو اس کی سرزنش کرتے یا اسے معزول کردیتے تھے۔

رسولؐ جاہ پرستی اور تفوق طلبی سے جنگ کرتے تھے۔آپؐ حکومت واقتدار کو برتری حاصل کرنے اور ریاست طلبی کا ذریعہ نہیں بناتے تھے اور حاکموں اور زمام داروں کو اس ناپسند انسانی خصلت سے بچنے کی وصیت کرتے تھے۔آپؐ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ کارندے آپؐ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں اور آپؐ کے سامنے بادشاہوں اور سلاطین کی مانند سر جھکائیں۔

ظلم و ناانصافی سے آپؐ نے مختلف طریقوں سے مقابلہ کیا۔ فتحِ مکہ کے موقعہ پر شہر میں داخل ہوتے وقت، جب آپؐ سیاسی اقتدار کے اوج پر تھے، ان لوگوں کو معاف کردیا جنہوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو گالیاں دیں تھیں اور اذیتیں پہنچائی تھیں۔آپؐ نے الٰہی مزاج اور انسانی عظمت کے تحت انھیں آزاد

کر دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انھیں دشنام و اذیت دے۔

رسولؐ نے، امت اسلامی کی زمام داری کے دوران، اپنے حاشیہ نشینوں، اقرباء اور وابستہ لوگوں کو کبھی یہ اجازت نہیں دی کہ وہ آنحضرتؐ سے قرابت کے سبب حکومت کا غلط استعمال کریں۔ فتح مکہ کے بعد رسولؐ کوہ صفا کی بلندی پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"ہر شخص اپنے عمل کا رہین و گروی ہے۔"

اس طرح آپؐ نے یہ سمجھا دیا کہ آنحضرتؐ کے وجود سے کسی کو غلط فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔

رسولؐ کفار اور دشمنان اسلام سے جنگ میں، اسلامی ادب اور انسانی اصول پر عمل کرنے کا حکم دیتے تھے، منجملہ یہ کہ دشمنوں پر پانی بند نہ کرنا، پانی میں زہر نہ ڈالنا، جنگ میں زخمی و مجروح ہونے والے دشمنوں پر رحم کرنا، ان کی آنکھ نہ نکالنا، ان کے کان و ناک نہ کاٹنا، بچوں اور عام لوگوں کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت کو نہ کاٹنا اور اس کی شاخیں نہ توڑنا، کھیتی میں آگ نہ لگانا۔ لیکن یہی رسولؐ رحمت جب یہ دیکھتے کہ حریم دینِ خدا اور الٰہی و انسانی اصول و اقدار پر حملہ ہو رہا ہے تو پھر نرمی و کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ حکم خدا کو جاری کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی کی سفارش پر بھی توجہ نہیں کرتے تھے۔

بہر حال رسولؐ کی سیاسی و حکومتی روش میں، الٰہی و انسانی اقدار، آپؐ کی حکمرانی کی بنیاد تھے اور سیاسی اصول و مبانی کے ذریعہ ان اقدار کا تحفظ ہوتا تھا اور ان کی نشر و اشاعت ہوتی تھی۔

منابع و مآخذ :

- قرآن
- نہج البلاغہ
- قانون اساسی جمہوری اسلامی ایران
- آشوری، داریوش، دانشنامہ سیاسی، انتشارات سہروردی، تہران، ۱۳۴۴
- ابن اسحاق، عبدالملک، سیرت رسول اللہ، ترجمہ ہمدانی، بنیاد فرہنگ، تہران، ۱۳۶۶
- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار صار، بیروت، ۱۳۸۵ق
- الہندی، کنزالعمال، بیروت
- جعفریان، رسول، سیرہ رسول خدا، چاپ انتشارات تہران، ۱۳۷۱
- حسینی، سید علی اکبر، تاریخ تعلیم وتربیت اسلامی، انتشارات فراہانی، تہران، ۱۳۶۶
- حکیمی، محمد رضا، محمود، علی، الحیاۃ، ترجمہ احمد آرام، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۵
- حمیداللہ، محمد، نامہ ہا و پیمانہای سیاسی حضرت محمد واسناد صدر اسلام، سروش، تہران، ۱۳۷۴
- رضوانی، علی اصغر، صلح طلبی، مسجد جمکران، قم، ۱۳۸۵
- رہبر، محمد تقی، رحیمیان، محمد حسن، اخلاق وتربیت اسلامی، سمت، تہران، ۱۳۸۲